An International Journal of ISLAMIC AND SOCIAL SCIENCES

ISLAMICUS

PAKISTAN ISLAMICUS

(An International Journal of Islamic and Social Sciences)

Volume: 04, Issue: 03, July–September 2024, Pages: 70-90

Journal Website: https://pakistanislamicus.com/index.php/home

Publisher Website: https://www.mircpk.net

MUSLIM INTELLECTUALS Research Center Multan-Pakistan

HEC "Y" Category

HJRS HEC Journal Recognition System

وائل حلاق کی کتاب ''ناممکن ریاست'' کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY OF WAEL HALLAQ'S BOOK "IMPOSSIBLE STATE"

Dr Abdul Basit[1], Javed Iqbal[2], Sadia Shabbir[3].

[1] Faculty Member, Department of Islamic Studies, Virtual University of Pakistan.
[2] PhD Scholar, Department of Islamic Studies, B.Z.U. Multan, Punjab, Pakistan.
[3] PhD Scholar, Department of Islamic Studies, GC University Faisalabad, Punjab, Pakistan.

ARTICLE INFO

Article History:

Received:	June 25, 2024
Revised:	July 22, 2024
Accepted:	July 25, 2024
Available Online:	July 30, 2024

Keywords:

Wael Hallaq's Book
Modern State
Islamic Law
Moral Philosophy
Impossible State

Funding:

This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Copyrights:

CC BY

Copyright Muslim Intellectuals Research Center. All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ABSTRACT

Wael B. Hallaq is a famous Scholar of the twentieth century. He was born in Nazareth, Palestine in 1955. He is an expert in Islamic Law. He did his Ph.D. at the USA, University of Washington. He served as Assistant Professor at McGill University and taught Islamic Law. He was promoted to Professor of Islamic law in 2005 at McGill University. He is one of the leading scholars of Islamic Law. Hallaq's work has been widely debated and translated into Arabic, Hebrew, Indonesian, Italian, Japanese, Persian and Turkish, among others. His books and articles are a big source of knowledge to understand the oriental approach to Sharia. He has two points of view on Islamic law. In the first case, for the development of Islamic law, we must take historical, gradual, and evolutionary concepts into account. He broadly concurs with western philosophers in this aspect. This first component of Hallaq's theories' may be renamed as the theory of evolution of Islamic law. From the second point of view, Hallaq reviews how politics has affected Islamic law and daily life in the modern state and argues that this relationship between Islamic law and the modern state calls for moral philosophy to construct an Islamic state in the modern world. Without moral and ethical change in modern state, the development of Islamic state is Impossible in the world. Therefore, he called a Muslim state as impossible state to exist in modern world. There is also a disagreement with the proposed philosophy of Hallaq in view of the relationship between the modern state and Islamic law. Because Hallaq's moral philosophy is basically a secular worldview. We have discussed second point of view oh Hallaq's ideology in this paper.

Corresponding Author's Email: basit.zafar@vu.edu.pk

تمہید

جدیدیت اور جدید ریاست کے ناقد کی حیثیت سے وائل حلاق (پ:1955) کو ایک عظیم مسیحی صوفی، اسلامی قانون کے تاریخی ارتقاء کے تناظر میں ایک عظیم محقق، اسلامی قانون کی اصطلاحات کی تعبیر و تشکیل کے اعتبار سے ایک اعلیٰ پائے کا مفکر، مشرق و مغرب کے فلسفہ پر نظر رکھنے والا ایک عظیم فلسفی، لیکن بحیثیت

مجموعی، اسلامی نظام کو بطور اسلام نظام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شریعت اسلامیہ کو مع اس کے لوازمات شرع اسلامیہ قبول کرنے، تسلیم کرنے اور نافذ العمل ہونے کی فطری قوت کا حامل سمجھنے میں تشکیک وابہام پیدا کرنیوالا جدید مستشرق کہہ سکتے ہیں۔ تصور قرآن، تصور حدیث، تصور سنت، تصور اجماع واجتہاد اور دیگر اہم تصورات میں ماقبل مستشرقین سے اختلاف کی بناء پر اسے استشراق میں ایک نئے منہاج اور مکتب فکر کے بانیوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ وائل حلاق اسلامی قانون یا شریعت کو اس کے حقیقی معنی و مفہوم ولوازمات کے ساتھ قبول کرلیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت ورسالت کی حقیقت سے آشنا ہوکر اسے تسلیم کرلیں تو ان کا جدیدیت پر نقد مسلمہ اور بہت سے دیگر موضوعات پر تفرد فکر محض ایک مسلمان عالم دین کا اختلاف فکر اور نیا مسلک معلوم ہوگا۔ وگرنہ اصولی اختلاف کے سبب فروعی مباحث کی تفصیلات بہت سی گمراہیوں، غلط فہمیوں و تشکیک اور ابہام کا مجموعہ ہیں۔

کتاب "ناممکن ریاست (Impossible State)" کا تعارف و تجزیہ

"ناممکن ریاست" وائل حلاق کی بہت ہی معروف کتاب ہے۔ پہلی بار 2013 میں کولمبیہ یونیورسٹی پریس سے انگریزی زبان میں شائع ہوئی، اور اعزاز یافتہ کتاب قرار پائی۔ اس کتاب کا مکمل نام ***The Impossible State (Islam, Politics, and Modernity's Moral Predicament)*** ہے۔[1] شرق وغرب میں اس کا مطالعہ کافی زیادہ کیا گیا ہے۔ اس پر بہت ہی زیادہ ریویو پیش کیے گئے ہیں۔ وائل حلاق کے بقول یہ ریویوز تائید وتردید دونوں نوعیت کے رہے ہیں۔[2] عربی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر عمرو عثمان نے کیا[3]۔ جبکہ اردو مترجم صابر علی صاحب ہیں۔[4] ریویورز میں Lama , Iza Hussain Abu Odeh اور Said Salah کا نام قابل ذکر ہے۔[5]

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں اہم مقدمات کا بیان ہے جن میں سے منہج کا مقام اور اس کی اہمیت بطور خاص قابل ذکر ہے۔ دوسرے باب میں جدید ریاست کی پانچ بنیادی خصوصیات بالتفصیل بیان کی گئی ہیں۔ ریاست ایک جدید تصور ہے جس کی پیدائش اور پرورش یورپ میں خاص حالات میں ہوئی، دنیا کی کسی بھی سابقہ تہذیب میں ایسا تصور نہیں ملتا۔ ریاست بذات خود قادر مطلق اور حاکم مطلق ہوتی ہے؛ اس لیے وہ نیابتی یا تفویض کردہ حاکمیت مسترد کرتی ہے۔ ریاست قانون سازی میں مختارِ کل ہوتی ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی دوسری ہستی یا قوت کو خاطر میں نہیں لاتی، اور قانون سازی کی بنیادی خصوصیت جبر ہوتا ہے نہ کہ اخلاقیات۔ ریاست میں عقلیت پسندی کا سکہ چلتا ہے اور اس کا انتظام بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ریاست ثقافتی غلبہ چاہتی ہے یعنی انسان کو سٹیزن میں تبدیل کردیتی ہے۔ تعلیمی ادارے اور تعلیمی نظام اور عدلیہ اور عدالتی نظام سٹیزن کی پیداوار کے دو بنیادی اور خاص ادارے ہیں۔

تیسرے باب میں اختیارات کی علیحدگی کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ مغرب کے جمہوری سیاسی نظام میں اختیارات کی علیحدگی کا چرچا کیا جاتا ہے لیکن اس کے سیاسی مفکرین مانتے ہیں کہ اختیارات کی علیحدگی عملاً ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس مصنف بتاتے ہیں کہ شریعت کے نظام حکومت میں اگرچہ اختیارات کی علیحدگی کی کوئی تھیوری نہیں تھی، پھر بھی مسلمانوں نے اختیارات کی علیحدگی کی بے مثال تاریخ رقم کی اور ایسا معیار قائم کیا جس پر مغرب نہیں پہنچ سکتا۔

چوتھے باب میں قانون، سیاست اور اخلاق کے باہمی تعلق پر بحث کی گئی ہے اور اخلاقیات کی برتر حیثیت پر زور دیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں واضح کیا گیا ہے کہ

جدید ریاست کے سٹیزن اور شریعت کے پیدا کردہ اخلاقی انسان میں کیا فرق ہوتا ہے۔ چھٹے باب میں گلوبلائزیشن اور اخلاق کی بحث ہے۔ وائل حلاق بتاتے ہیں کہ بالفرض اگر اسلامی ریاست قائم بھی ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی نہایت مختصر ہو گی، کیوں کہ عالمی نظام اسے ختم کرنے کے درپے ہو گا۔ مسلمان گلوبل دنیا سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔

ساتویں باب میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان گلوبل ویلج میں اسی صورت میں رہ سکتے ہیں اگر وہ اس دنیا سے علمی طور پر یہ منوالیں کہ ایمانیات اور اخلاقیات بنیادی اور مرکزی منہج ہے۔ اس سلسلے میں شریعت اور جدیدیت میں بنیادی مخاصمت کی نشان دہی کر کے اس کا حل تجویز کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان اہلِ علم کے کرنے کے کون سے کام ہیں اور انہیں یہ کام کس انداز سے کرنے چاہییں۔ کتاب کی ضخامت ۳۰۰ صفحات ہے جس میں مصنف کی طرف سے اردو ترجمہ کے لیے لکھا گیا خصوصی تعارف، اشاریہ، اہم شخصیات کا اجمالی تعارف اور اہم اصطلاحات کی وضاحت بھی شامل ہے۔ حلاق کے بقول اس کتاب کا بنیادی موضوع فلسفہ اخلاق ہے۔[6] کتاب ھذا میں جدید ریاست کے ستونوں پر بھی بحث کی گئی ہے۔ جدید قانون (انسانی قانون) کے بنیادی خواص کا ذکر کیا گیا ہے اسلامی قانون[7] اور اسلامی ریاست[8] کے ساتھ ان کا جو تضاد ہے اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان کی کتاب "ناممکن ریاست" کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ "اسلامی ریاست" ناممکن ہے۔ ان کا یہ دعویٰ بظاہر بہت عجیب اور خلافِ اسلام معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ انگریزی لفظ اسٹیٹ (state) کے لیے اردو میں "ریاست" کا لفظ مروج ہے، اور عام خیال ہے کہ یہ نظمِ اجتماعی کے لیے استعمال ہونے والا ایک عمومی لفظ ہے جو مقتدرہ کی کسی بھی شکل کے لیے بولا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت میں "اسٹیٹ" ایک مخصوص نظمِ اقتدار ہے جو ایک مخصوص سماج (سول سوسائٹی) اور ایک مخصوص فرد (ہیومن) کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ریاست (اسٹیٹ) کا ظہور قریب دو صدی قبل یورپ میں ہوا۔ اس لیے وائل حلاق کی کتاب کے مطالعے کے بعد عنوان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے۔ یہ غلط فہمی اس خیال کی بنا پر پیدا ہوتی ہے کہ اسلامی "ریاست" کا ناممکن ہونا شاید اسلام کی خامی یا نقص ہے، جس طرح کہ اسلام کا جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونا جدیدیت پسندوں کے نزدیک اسلام کی خرابی ہے، نہ کہ جدیدیت اور اس کے تقاضوں کی! ہماری دانست میں دراصل حلاق نے جدیدیت کے تناظر میں اسلامی فلسفہ اخلاق کے اطلاق کی ناکامی کی صورت میں جدید اسلامی ریاستوں پر نقد کیا ہے اور اسے جدیدیت پر نقد کی بنیاد بنایا ہے۔ اور مسلم سیاستدانوں کی ناکامی کو نئے اخلاقی فلسفہ کی تشکیل کے بیانیے کی بنیاد بنایا ہے۔

شریعت اور اس کی عمل پذیری اور اس کے ثمرات و فوائد کا جدیدیت اور اس کی عمل پذیری اور اس کے اھداف و نتائج کا تقابل اور موازنہ کرتے ہوئے وائل حلاق شریعت اور اس کے متعلقات کی برتری ثابت کرتے ہیں۔ اور شریعت کی یہ برتری بنیادی طور پر اخلاق اور اخلاقیات کی وجہ سے ہے۔ ایک لحاظ سے پوری کتاب اخلاقیات کی ضرورت واہمیت کے تناظر سے اسلامی ریاست کے عدم امکان اور جدیدیت کی گمراہیوں کی مدلل تفصیل اور اس سوال کا جواب ہے کہ اسلامی ریاست کیوں کر ناممکن ہے؟ ہماری رائے میں یہاں تضاد یہ ہے کہ شریعت اور اس کی عمل پذیری کے ثمرات و فوائد اور شرعی برتری کا سبب اخلاق اور اخلاقیات کا منظم نظام

تھا تو کیا وجہ ہے کہ اب اس کی تشکیل نو کی ضرورت ہے؟ جو فلسفہ اخلاق ماضی میں کار گر تھا اسی کا قدیم ورژن حال و مستقبل میں کیوں نہیں لیا جا سکتا؟ حلاق کی فکر اجتہاد کے تناظر میں بھی یہی موقف معلوم ہوتی ہے کہ شرع ایک متغیر اخلاقی نظام ہے جس کے اصول غیر متغیر ہیں۔ اگر انہیں نصوص کہا جائے تو وہ قرآن و حدیث کی مخصوص آیات و روایات ہیں۔ لیکن ان نصوص کا ماخذ بھی وہی سماج و اجتہاد ہے تو شرع کا یہ تصور اسلامی نقطہ نظر سے قابل تردید ہے۔ اور ہماری دانست میں حلاق کی کتب سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ جس کی مزید وضاحت آئندہ بحث سے نیز ہماری دیگر تحریروں سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اگر ریاست کے عملی مسائل کی بنیادی وجہ استعماری اثرات ہیں تو ہماری رائے میں قدیم اسلامی فلسفہ اخلاق کی تشکیل جدید کی بجائے (یعنی سیاسی امور میں بھی اسلام کے علاوہ کوئی نیا نظام فکر یا مذہب تشکیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) جدید اسلامی ریاست کے استعماری اثرات کا مسئلہ حل کرنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں نیا فلسفہ اخلاق تشکیل دینا زیر بحث نہیں ہونا چاہیئے بلکہ استعماری اثرات سے نجات کے اقدامات زیر غور رہنے چاہئیں۔ حلاق کو مسئلہ جدیدیت سے ہے تو جدیدیت کی اسلام کے مطابق تشکیل نو ہونی چاہیئے نہ کہ اسلام کی۔ دراصل حلاق یا جدید مغربی مفکرین اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ جدیدیت درست نہیں مابعد جدیدیت فلسفہ اخلاق کی ضرورت بھی ان پر واضح ہو چکی ہے لیکن حق سمجھنے کے باوجود وہ اسلام کو بطور اخلاقی نظام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو رہے۔ **وما توفیقی الا باللہ**[9]

اپنی کتاب میں مغربی علوم و فلسفہ کے اساسی ماخذ اور اسلامی علوم و شریعت کے بنیادی مصادر سے رجوع کرتے ہوئے وائل حلاق واضح کرتے ہیں کہ ریاست کی ہر معیاری تعریف میں ریاست خود مختار، مقتدر اعلیٰ اور حاکمیت کی بذات خود مالک ہوتی ہے؛ یعنی ریاست مختارِ کل اور قادر مطلق ہوتی ہے۔[10] اس کے برعکس شریعت میں اول سے آخر تک ایک لمحے کے لیے بھی یہ رتبہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا۔ لٰہذا جب مسلمان اسلامی ریاست قائم کرنے کا دعویٰ یا جدوجہد کرتے ہیں تو ان کا دعویٰ متناقض ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے تقریباً بارہ صدیوں تک کرۂ ارض کے وسیع و عریض حصے پر شان دار حکمرانی کی، لیکن مروجہ معنوں میں ریاست کبھی نہ بنائی، کیوں کہ شریعت میں ریاست اور اس کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہمیں حلاق سے اس سلسلہ میں قدرے اختلاف ہے، جس کی وضاحت آئندہ بحث میں کی جائے گی۔

شریعت میں ریاست کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس کے جواب میں مصنف جدید ریاست کی دو سو سالہ تاریخ و علمیت کا خلاصہ نکالتے ہوئے اس کی بنیادی خصوصیات اور ساخت کا اسلام کی ضد ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ان بنیادی خصوصیات میں سے ایک بھی خصوصیت اسلام یا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں، اور اگر یہ خصوصیات اور شرائط باقی نہ رہیں تو پھر یہ نظمِ اجتماعی کسی طور پر بھی ریاست (اسٹیٹ) نہیں کہلا سکتا۔ گویا مسلمان جس چیز کو ریاست سمجھتے ہیں دنیا اسے ریاست نہیں مانتی اور جس چیز کا نام ریاست ہے، کوئی بھی مسلمان اسے پسند نہیں کر سکتا کجا کہ اس کے قیام و دوام اور استحکام کی جدوجہد کرے۔ ریاست کی ساخت اور مابعد الطبیعیات کی تفصیل میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست فی نفسہٖ خلقی اور بدیہی طور پر خدا کا متبادل ہے جس کا اپنا دین ہے، اس لیے اس میں کسی بھی دوسرے دین کو برداشت نہیں کیا جاتا، اسلام کو تو بالخصوص نہیں۔ چونکہ حلاق کے مطابق جدید ریاست کی سینٹرل ڈومین خلقی اور بدیہی ہے۔ آزاد و خود مختار

ہے، جبر واستبداد پر مبنی ہے اس لیے پیریفرل ڈومینز بھی اسی کے ماتحت ہیں۔مادیت ومفاد پرستی اور نفس پرستی اس کی بنیاد ہیں۔ہماری رائے میں یہاں بھی تضاد کا دوہرا معیار پایا جاتا ہے سینٹرل ڈومین درست ہو تو پریفرل ڈومین آٹومیٹکلی درست ہو جاتی ہے گویا سینٹرل ڈومین اگر شرع ہے تو پیریفرل ڈومینز سیاست، معاشرت، معیشت وغیرہ۔گویا شرع درست کرنے سے یعنی استعماری اثرات سے پاک کرنے سے پیریفرل ڈومینز خود بخود درست ہو جائیں گی۔ باالفاظ دیگر حلاق کے نزدیک شرع کی اصلاح مطلوب ہے؟اس سلسلہ میں ہم حلاق سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔فی نفسہ حکومت، سیاست یا ریاست کچھ بھی خلقی یا بدیہی طور پر خدا کا متبادل نہیں۔ان تصورات میں جو خطائیں اور غلطیاں ہیں ان کی اصلاح مطلوب ہے اور یہ اصلاح شرع کے اصولوں کے مطابق ہو گی،نہ کہ شرع کا جدید بیانیہ تشکیل کرنا پڑے گا۔ جبکہ حلاق کو مسئلہ ریاست کا درپیش ہے اور اصلاح شرع کی مقصود ہے۔اصل مسئلہ کئی ایک نظریات کا عالمی اثر و نفوذ ہے اور اب زمان ومکان کی قید سے آزادی کا رخ اختیار کرنا ضروری ہے اب تو لسانی، قومی، جغرافیائی، نسلی اور ہمہ قسمی امتیازات کو ترک کر کے عالمگیر و آفاقی اسلامی تصورات کے احیاء کا حقیقی دور آیا چاہتا ہے۔ہماری سابقہ تحریروں کے ساتھ ساتھ ذیل میں دی گئی تفصیل اسی احیاء کی متقاضی ہے۔

اہم اصطلاحات کی وضاحت

وائل حلاق نے تقریباً ہر باب کے آغاز میں مغربی مفکرین کے مقولے پیش کیے ہیں اور باب کے مباحث میں اسی موقف کو نتیجتاً ثابت کیا ہے۔وائل حلاق کی کتاب ''ناممکن ریاست ''کا پہلا باب ''مقدمات''پر مشتمل ہے۔جس میں سب سے پہلے وہ چند اہم اصطلاحات پر کلام کرتے ہیں۔کتاب کے آغاز میں ہی وائل حلاق شریعت اسلامیہ کے قدیم وصف "منہاج" کو جدید ریاست کے "منہاج" سے وجہ امتیاز قرار دیتے ہیں۔انیسویں صدی سے قبل اور پہلی بارہ صدیوں تک شریعت نے سماج اور حکمران طبقہ دونوں کے لیے منظم اخلاقی ضابطے مرتب کیے۔ جبکہ مابعد اس میں استعماری اثرات کے نتیجے میں تحریف کی گئی۔یہ تحریف قانون سازی کی سطح پر ہوئی اور جدید قومی ریاستوں میں برطانوی استعمار نے علاقائی آبادیوں کے لیے جو قوانین مرتب کیے ان میں انجنیئرنگ ایک مسلمہ امر ہے۔ظاہر ہے اس کے اثرات مسلم معاشروں پر پڑے اور مابعد آزاد وخود مختیار مسلم ریاستوں کے قیام سے یہی اثرات مسلم ریاستوں کو استعماری ورثے میں ملے اور نوزائیدہ قومی ریاستیں آج تک ان اثرات سے نکل نہ سکیں۔اس کی ایک مثال مسلم میرج لاء ہے۔[11]ہمیں مذکورہ بالا حقائق تسلیم کرنے کے باوجود شرع کے منہاج اور مجموعی طور پر امت مسلمہ کے فکری منہج پر ان اثرات کو قبول کرنا محال ہے۔چونکہ یہ بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ برطانوی استعمار کے زمانہ سے ہی برطانوی اثرات کو شرع اور بحیثیت مجموعی مسلم معاشرے نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے انفرادی معاملات علماء اور مجموعی مسلم معاشرے نے شرع کے مطابق چلائے حکومتی طرز محض حکومت کے لیے لازم تھا انیسویں صدی سے اکیسویں صدی تک ہم کئی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن میں مسلم علماء اور بحیثیت مجموعی مسلم امہ نے استعماری قوانین کو رد بھی کیا اور انہیں چیلنج بھی کیا اور اسکے رد عمل میں استعماری حکومتوں کے غیض وغضب کا سامنا بھی کیا تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ استعمار نے اپنا رویہ بدلا اور آزادی کے نام پر مسلم معاشروں سے ایسے افراد کا انتخاب کیا جو ان کے نمائندہ کی حیثیت

سے نوزائیدہ مملکت کے معاملات چلائیں دوسری طرف حامیان اسلام نے بھی ہر نام نہاد آزاد و خود مختیار ریاست کو شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشش جاری رکھیں پاکستان میں اس کی مثالیں قرار داد مقاصد، 1973 کے آئین کی اسلامی دفعات اور اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام کی شکل میں سامنے آئیں حق و باطل کی یہ کشمکش ابھی بھی جاری ہے۔

ہمارا یہاں وائل حلاق سے اصولی اختلاف یہی ہے کہ شرع اسلامیہ کا منہج آج بھی وہی ہے جس کا چودہ صدیاں قبل سرزمین عرب سے آغاز ہوا تھا مسلم معاشروں میں درپیش اطلاقی مسائل استعماری اثرات کا نتیجہ ہیں یہ فروعی نتیجہ ہے جس کی وجہ ہمارے ہی معاشرے کے نااہل مقتدر افراد ہیں۔ اس فروعی نتیجہ کو جو استعمار کے عملی اثرات سے پیدا ہوتا ہے اصولی طور پر کوئی بھی مسلم معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ آگے بڑھنے سے قبل یہاں ہم حلاق کے ان اعتراضات پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو انہوں نے مسلم معاشروں کی عمومی مجموعی حیثیت پر کیے ہیں۔ حلاق لکھتے ہیں:

> ''جدید سیاق و سباق میں مسلمانوں کی شریعت میں رغبت اور اس کے نفاذ کی خواہش نا قابل حل تناقض پیدا کرتی ہے۔ آج کے مسلمان بہ شمول کبار مفکرین جدید ریاست کو فطری چیز اور مسلمہ حقیقت خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ فطری حقیقت ہے۔ وہ نہ صرف یہ تصور کیے بیٹھے ہیں کہ جدید ریاست پوری معلوم تاریخ میں موجود رہی ہے بلکہ ان کے نزدیک خود قرآن میں اس کا حکم موجود ہے۔ یہاں تک کہ قوم پرستی کا بے تاریخ تصور (جو جدید ریاست کا منفرد جزو لاینفک ہے) بھی ''مقدس دستور اسلامی'' نے دنیا میں متعارف کروایا اور چودہ صدیاں پہلے مدینہ میں اسی طرح تشکیل دیا گیا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ابتدائی اسلامی معاشروں نے شہریت، جمہوریت اور رائے دہی جیسے تصورات کو فروغ دیا۔ یہاں تک کہ گلوبلائزیشن کے بعض نظریہ ساز اور علوم سیاسیات کے ماہرین ریاست کے مستقبل پر سوال اٹھا رہے ہیں جب کہ جدید اسلامی مفکرین اور عالم جدید ریاست کو فطری اور بدیہی چیز بلکہ ماورائے وقت مظہر سمجھتے ہیں۔''[12]

حلاق نے اپنے مذکورہ بالا اعتراضات کی دو وجوہات بیان کی ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

اول: ریاست کی وجودی حقیقت (Ontological fact) اور اس کی ناقابل تردید قوی موجودگی

دوم: شریعت کی تحکیم (governance) کی شکل واضح کرنے کے لیے غیر وجودی حقیقت (deontological fact)[13]

جہاں تک ریاست، قومیت، شہریت اور جمہوریت کے تصورات کا تعلق ہے حلاق اس اعتبار سے حق بجانب ہیں کہ یہ تصور اپنی پوری عملی فلاسفی کے ساتھ مغرب میں وجود میں آئے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشروں کی تاریخ میں یہ تصورات نئے نام اور اصطلاحات کے ساتھ ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نام اور اصطلاح مع اپنے لوازمات اثرات کے ساتھ معاشرے تشکیل دیتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم معاشروں میں ہر نئی اصطلاح بالخصوص جب وہ مغرب کی پیداوار ہو تو سوال ضرور اٹھتے ہیں ہر اصطلاح استعماری غلبے کی وجہ سے اپنے مغربی تصورات کے ساتھ نافذ العمل ہونے کے باوجود

اپنی شناخت کو اسلامی رنگ دینے میں ناکام رہی ہے اور اسے اسلامی تصورات کے معیار پر پرکھنے کے اقدامات ہر سطح پر جاری رہے ہیں۔ اور متعلقہ صحیح اسلامی موقف بھی واضح کیا جاتا رہا ہے ہم اپنی رائے میں ایسے تصورات کو Bilateral اور Relative way میں لینے کے حق میں ہیں اس سلسلہ میں مسلم ماہرین و مفکرین، اسلام اور امت مسلمہ کے مستقبل کے پیش نظر اجتہاد کی بناء پر زمان و مکان کی رعایت سے فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔

وائل حلاق نے اخلاقیات[14] کی تعریف یوں کی ہے:

"دوسروں کے ساتھ محض ویسا سلوک نہ کیا جائے جیسا کہ تم خود چاہتے ہو بلکہ یہ وہ حالت ہے جس میں آپ کوئی جرم کرنے یا اچھا کام کرنے سے باز رہنے کے قابل نہیں ہوتے، اس لیے نہیں کہ آپ میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ اس لیے کہ آپ ایسی زندگی جی ہی نہیں سکتے اور خود کو اس کے نتائج و عواقب کا سامنا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ تعریف عموما نظر انداز کر دی جاتی ہے، یہ تعریف جدید پراجیکٹ کے اصل مسئلے کی نشان دہی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ماقبل جدید دنیا بہ شمول اسلامی دنیا کس طرح متشکل تھی۔"[15]

اخلاقیات کو بطور منہج ریاست میں اختیار کرنے پر نا صرف حلاق بلکہ اس سے ماقبل مفکرین میکنٹائر، چارلس ٹیلر، چارلس لامور نے بھی زور دیا۔ حلاق اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"اخلاقی مصادر (moral resources) کی تلاش کا جو انداز یہاں تجویز کیا جا رہا ہے وہ یقیناً نیا نہیں بلکہ بہت سے مفکرین نے اس پر مستقل سوچ بچار کی ہے، مثلاً السدائر میکنٹائر، چارلس ٹیلر اور چارلس لامور"۔ تاہم جہاں ان مفکرین نے خود کو نام نہاد یورپی روایت تک محدود رکھا اور اپنے سوالات کے جوابات افلاطون، ارسطو، ایکوئی ناس اور اُن جیسوں کے فلسفے میں تلاش کیے گویا کہ نوافلاطونیت اور ارسطویت سے قدیم مسلمان واقف ہی نہ تھے، گویا کہ ایکوی ناس، ابن رشد اور دیگر مسلم فلاسفہ کا "شاگرد" نہیں رہا) ہم اپنی تلاش میں مسلم اخلاقی مصادر پر توجہ مرکوز کریں گے اور اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی اپنی روایت ہے جو وسیع، زرخیز اور صدیوں کے ثقافتی حصول میں پیوست ہے۔"[16]

سینٹرل ڈومین کے مسئلہ کی وضاحت کے لیے حلاق نے کارل شمٹ کے افکار کو بنیاد بنا یا قدیم و جدید مرکزی اقلیم میں فرق کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"روایتی مذہبی دور کی مرکزی اقلیم میں اخلاقی تربیت اخلاقی تعلیم اور آداب مطلوب تھے جب کہ ٹیکنکل دور میں اقتصادی اور تکنیکی ترقی ہی سچی کامیابی ہے۔ اس طرح اقتصادی دور میں انسان کو صرف اشیا کی پیداوار اور تقسیم کا مسئلہ حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ تمام اخلاقی اور سماجی سوال بے معنی ہو کر رہ جائیں۔ لہذا تمام تصورات بہ شمول خدا، آزادی، ترقی، انسانی فطرت کے بشریاتی تصورات، عوامی دائرہ، عقلیت اور عقلیتی عمل اور تصور فطرت اور ثقافت بذات خود اپنی ٹھوس تاریخی تجسیم مرکزی اقالیم سے اخذ کرتے ہیں، اور انہی اقالیم کے

اندر سمجھے جاتے ہیں۔ روشن خیالی، جو ہماری اس بحث سے متعلق ہے، منہاج کی ایک دوسری مثال فراہم کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ پراجیکٹ ان فکری اور سیاسی تحریکوں پر محیط ہے جو فکری اختلاف کے وسیع منظر نامے پر مشتمل ہیں۔ یہاں چند ایک فلسفیانہ اختلافات کا حوالہ دینا کافی ہوگا جو ہابس، والٹیئر، روسو، ہیوم، اسپینوزا، کانٹ، جے ایس مل اور مارکس وغیرہ کے فلسفوں میں پوری شدت سے پائے جاتے ہیں۔ لہذا انہیں ایک ساتھ رکھنا ناممکن ہے اور ان کے نظام ہائے فکر اور ان کی پیدا کردہ سیاسی تحاریک کسی ایک گروہ میں نہیں رکھی جا سکتیں۔ تاہم یہ بات بالکل معقول ہے کہ روشن خیالی اپنی کلیت میں (کیرکیگارڈ اور ہرڈر کے اختلافات کے باوجود) ایک منہاج ہے، اس میں مفروضات اور قضیات مشترک ہیں، اور اندرونی کثرت کے باوجود اس میں ایک وحدت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ جان گرے نے درست کہا کہ روشن خیالی کے پراجیکٹ کی اصل مقامی، عرفی اور روایتی اخلاقیات اور الہیات (transcendental faith) کی تمام شکلوں کو تنقیدی اور عقلی اخلاقیات سے تبدیل کرنا تھا اور اس تنقیدی اخلاقیات کو آفاقی تہذیب کی بنیاد کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ نئی اخلاقیات سیکولر انسان اور انسان پرست تمام انسانوں پر واجب تھیں اور ان کے بارے میں کہا گیا کہ یہ انسانی حالات کے تجزیے کے لیے آفاقی معیارات دیں گی۔ عقل انسانی بالآخر اخلاقیات کے تقلیدی اصولوں سے جدا ہو گئی اور اس کی مدد سے روشن خیالی نے آفاقی تہذیب پیدا کی۔''[17]

ہماری رائے میں حلاق کے مباحث کے مطابق شریعت کی سینٹرل ڈومین اخلاقیات کی تکمیل ہے جبکہ جدیدیت کی سینٹرل ڈومین انسانی عقلیات (روشن خیالی) واستعماری قوت کا فروغ ہے۔ حلاق کے مطابق جدیدیت کے علاوہ روشن خیالی، لبرلزم، مارکسزم، سیکولرزم وغیرہ بھی باقاعدہ منہاج ہیں۔ اور ان کی اپنی ڈومینز بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں حلاق مغربی مفکرین کی آراء کا تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں جو بہت موثر اور فکر انگیز ہے۔ حلاق نے منہج کو تکثیری عمل قرار دیا ہے یعنی ہر سینٹرل ڈومین میں کئی ایک پیریفرل ڈومینز ہیں سینٹرل ڈومین اخلاقی (غیر متغیر) چیز ہے جبکہ پیریفرل ڈومین قانونی (متغیر) چیز ہے اس سلسلہ میں "کیا ہے" اور "کیا ہونا چاہیئے" کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ حلاق کے مذکورہ بالا تصورت کی مزید وضاحت میں تشکیک وابہام پایا جاتا ہے حلاق رقم طراز ہیں:

''بطور مرکزی اقلیم شریعت ایسی کسوٹی تھی جس سے ذیلی اقالیم پرکھی جاتیں اور اس کے حل ان اقالیم کے حل متعین کرتے۔ فکری دائروں میں اسلامی تعلیم کا ڈھانچہ شریعت کی دی گئی ترجیحات سے متعین ہو جاتا تھا۔ لغات، لسانیات، تفسیر، منطق، بلاغت، علم الکلام اور نظریہ علم جیسے علوم شرعی اقلیم کے دائرے میں پیدا ہوئے، فروغ پائے اور مدون ہوئے۔ یہاں تک کہ ریاضی اور فلکیات (جو ابتدائی جدید یورپی سائنس کی بنیاد بنے) بھی شرعی مقاصد کے لیے متاثر کن حد تک ترقی کر گئے۔ کوئی عالم یا مفکر خواہ کسی بھی میدان میں تخصص حاصل کرتا، اس کی بنیادی علمی تربیت ہمیشہ شرعی ہوتی تھی۔ اپنے رسمی ڈسکورس میں شریعت ''دوسری اقالیم'' کے مسائل اور ان کے حل کی ذمہ دار نہ تھی۔ کیوں کہ اصولی طور پر انہیں فروعی تصور کیا جاتا۔ یہ اقالیم شریعت کے تقاضوں اور اس کی ترجیحات سے متعلق ہوتیں اور ان کی تشکیل و تنظیم کا مقصد شریعت کی ضروریات پوری کرنا ہوتا۔''[18]

یہاں حلاق کے مباحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شریعت کو محض فقہ قرار دے رہے ہیں اور دیگر علوم سے مکمل طور پر الگ قرار دے رہے ہیں دوسری طرف وہ اسلامی اخلاقی مصادر کو ہی گمنام قرار دیتے ہیں حلاق لکھتے ہیں:

"تکنیکات ذات کو بنیاد بنانے سے ماقبل جدیدیت شرعی اداروں، روایات یا نظام تعلیم کی بازیافت لازم نہیں آتی۔ یہ اولین ترجیح کا اخلاقی پراجیکٹ ہے، اخلاقی رہ نمائی کے لیے تاریخی ذات سے مدد لینے کی کوشش ہے۔ یہ اخلاقی تنقید، اخلاقی غور وفکر اور اخلاقی متبادل کا پراجیکٹ ہے، دوسرے لفظوں میں یہ ایسا پراجیکٹ ہے جس کا مقصد جدید دنیا میں مسلم ذات کے لیے اخلاقی فضا پیدا کرنا ہے، وہ ذات جو جدیدیت سے اتنی ہی اچاٹ ہے جتنی کہ اس کی ہم عصر مغربی ذات۔ لہذا **اسلامی اخلاقی مصادر کی بازیافت اتنا ہی جدید پراجیکٹ ہے جتنی کہ خود جدیدیت اور جدید پراجیکٹ ہونے کے ناطے یہ اصل میں مابعد جدیدی ہے۔** واضح رہے کہ مابعد جدیدیت، جدیدیت سے ماوراہونا ممکن بھی سمجھتی ہے اور اس کی کوشش بھی کرتی ہے۔"[19]

وائل حلاق کی فکر سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ شرع اسلامیہ کی اصولی (مبادیاتی حیثیت سے) طور پر نئی تعبیر و تشکیل مابعد جدیدیت کے تناظر میں کرنے کے داعی ہیں۔ میری رائے میں حلاق کی یہ فکر درست نہیں ہے کیونکہ میری دانست میں مغرب عنقریب نئے خدا کی تلاش کا دعویٰ کرے گا جو نئے اخلاق تشکیل دے گا اور ہمیں شرکت کی دعوت دے گا تو ہم کسی صورت اس کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں شرع اسلامیہ کی موجودگی، اس کا فہم واطلاق ہی ہر مسئلے کا حل ہے۔

جدید ریاست کے خواص

جیسا کہ تمہید میں ذکر کیا گیا کہ وائل حلاق نے اپنی کتاب "ناممکن ریاست" کے دوسرے باب میں جدید ریاست کی پانچ خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس سلسلہ میں وائل حلاق کا تجزیہ لائق تحسین ہے جس کے مطابق جدید ریاست تاریخی پیداوار ہے جو امریکہ ویورپ میں پروان چڑھی۔[20] اس کا میکنزم کبھی بھی اسلامی تحکیم کو قبول نہیں کرتا اس لیے جدید مسلم ریاست کبھی بھی اسلامی نہیں ہوسکتی۔[21] جدید ریاست نے شرع کو بطور خام مال استعمال کیا۔ انیسویں صدی سے تاج برطانیہ کے قبضے کے بعد اسلامی قانون کی انجنئیرنگ کا آغاز ہوا اور بیسویں صدی میں معرض وجود میں آنیوالی تمام نام نہاد اسلامی ریاستوں کا آئین و قانون جدید ریاستی مقاصد کے پیش نظر شرع میں تغیر لایا۔ نت نئی ترامیم سے فیملی لاء، وومن رائٹس، وراثتی قوانین سمیت اکثر وبیشتر قانون جدید ریاست نے تبدیل کردیا نیز مزید تصرف کا اختیار محفوظ کرلیا۔[22] حلاق جدید ریاست کی کوئی ایک تعریف متعین نہیں کرپاتے، بلکہ جتنے ہی مغربی مفکرین ہیں اتنی ہی تعریفیں ہیں۔ چونکہ وائل حلاق نے ریاست کی کوئی ایک تعریف متعین نہیں کی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسئلہ ریاست کی تعریف کے تعین کا نہیں ہے۔ نظم سیاسیہ کی کسی بھی صورت کے لیے عرفا جو بھی اصطلاح مروج ہو وہ بذات خود مسئلہ نہیں ہوتی لیکن اس کی عملی صورت کے اثرات ونتائج اس کے وجود کی حقیقت اور اس کا مستقبل واضح کردیتے ہیں۔

حکومتی سٹرکچر کے تعین میں توامت آزاد وخود مختیار ہے۔ لیکن اصولوں کے اطلاق میں شرع کی پابند ہے۔ آپ سٹرکچر پر نقد کرسکتے ہیں۔ سٹرکچر کی تحسین بھی کرسکتے ہیں، تردید بھی۔ اسے تبدیل بھی کرسکتے ہیں، کوئی نیا سٹرکچر بھی وضع کرسکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ آپ تنقید سٹرکچر پر کرتے ہیں اور بیانیہ اصولوں کی

ترمیم کا تشکیل دیتے ہیں۔ ماضی میں شرع کی کامیابی پر ماضی کے منہج کو اپنانے کا درس دینے کی بجائے، نئی اخلاقی اقدار کی تشکیل کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ غیر منطقی (Illogical) ہے۔ دراصل حلاق شریعت کی مبادیات کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کی حقیقت سے متعلق ان کی فکر استشراقی بیانیہ ہے جو مذکورہ مصادر شریعہ کو بھی فقہی ارتقائی عمل کا حصہ قرار دیتی ہے۔

اسلام جب عالمگیر و آفاقی دین ہے تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تا حال اسے کیسے جغرافیائی حدود میں مقید کیا جا سکتا ہے؟ شرع اسلامیہ کے فروغ کا تسلسل تو ہر دور میں جاری رہا ہے اور ابھی بھی یہ تسلسل برقرار ہے۔ جہاں تک اسلام کے سیاسی غلبے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں مسلم ماہرین سیاست ناکام و نامراد نظر آتے ہیں۔ یہ انسانی ناکامی ان کے کردار کے نقائص ہیں نہ کہ شرع اسلامیہ کی فطری قوت پر کسی سیاسی غلبہ کے اثرات ہیں۔ بلکہ مستقبل تو گلوبلائزیشن کے منظر نامے میں اسلام کو ایک نظریاتی و عملی قوت کے طور پر اخلاقی اقدار کے فروغ کا واحد سرچشمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے عصر حاضر میں امت کا مسئلہ وہ نہیں ہے جو ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے بلکہ اصل مسئلہ حقیقی نظریاتی و عملی قوت کے شعور اور اطلاق کا ہے۔ زمان و مکان کے تقاضے سے جبرا یا مرضی سے جو بھی سیاسی سٹرکچر امت نے شرع کی روشنی میں اور شرع کے اطلاق کے لیے وضع کیا وہ چونکہ انسانی فکری و عملی کاوش کا نتیجہ تھا اور اس میں کامیابی و ناکامی دونوں پہلو موجود تھے اگر ماضی میں کامیابی ملی اور حال میں ناکامی تو مستقبل میں شرع کے اصولوں کی روشنی میں نئے سٹرکچر کے انتخاب پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اسی بناء پر ہم حلاق سے اختلاف کرتے ہیں کہ نظم اجتماعی ریاست بذات خود اسلامی ریاست کے متضاد نہیں ہے بلکہ اس سے وابستہ ان عیوب کو دور کرنے سے جو اسلامی تحکیم کی رکاوٹ ہوں جدید ریاست کو اسلامی ریاست کا درجہ دیا جا سکتا ہے جو حلاق کے نزدیک ناممکن ہے۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے اور انہوں نے مسلم فکر پر بہت زبردست نقد بھی لکھا ہے۔ بالخصوص اخوان المسلمون وغیرہ کے حوالہ سے، اگرچہ ہم اخوان المسلمون یا کسی بھی مذہبی سیاسی جماعت یا گروہ کی وکالت یا دفاع نہیں کر رہے[23] تاہم، حلاق سے ہم اس سلسلہ میں اتفاق اس لیے نہیں کرتے چونکہ وہ خود بھی ریاست کو متنوع سمجھتے ہیں تو یہی تنوع ہی جدید ریاست کی اسلامی ریاست میں تبدیلی کی بنیاد ہو سکتا ہے گویا یہ ممکن ہے۔

طاقتوں کی علیحدگی کا قانون

حلاق نے تیسرے باب میں مونٹسکیو کے "طاقتوں کی علیحدگی" کے تصور پر کلام کیا۔ حلاق کی نظر میں طاقتوں کی علیحدگی کا درست تصور بھی اسلامی تحکیم میں پایا جاتا ہے۔[24] جہاں سلطان (جو زیادہ تر سیاسی و عسکری قائد ہوتا ہے) یا خلیفہ (جو اکثر و بیشتر بذات خود سیاسی و سماجی اور فقہی علوم کا ماہر ہوتا ہے) قانون سازی (مقننہ) یا قانون کی تشریح (عدلیہ) پہ اثرانداز نہیں ہوتا۔ بلکہ نفاذ شرع (بطور انتظامیہ) میں کردار ادا کرتا ہے۔ جبکہ جدید ریاست میں طاقتوں کی علیحدگی کا قانون عملا کوئی حقیقت نہیں رکھتا حلاق نے یہ موقف دیگر مغربی علماء بالخصوص کیلسن، ڈیرل لیونسن، جسٹس جیکسن، اور میڈیسن کے دلائل سے اخذ کیا ہے۔[25]

حلاق کی رائے میں فقہیہ کا کام شرع کا تحفظ ہوتا ہے جو سماجی مصالح کے اصول پر کام کرتا ہے۔[26] شریعت میں منصوص احکامات بہت محدود ہیں جبکہ زیادہ تر شرعی ذخیرہ علم اجتہاد کی مرہون منت ہے اور فقہاء کی آراء میں تکثیریت پائی جاتی ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے یہ سب آراء درست ہیں اگرچہ حقیقتاً اللہ بہتر جانتا

ہے کہ کونسی رائے درست ہے ؟ [27] یہاں وکیل اور بھاری عدالتی فیس کا کوئی تصور نہیں ہوتا قاضی تک براہ راست رسائی ہوتی ہے اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فوراً فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ [28] جبکہ جدید ریاست میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جدید ریاست میں طاقتوں کی علیحدگی کا نام نہاد دعویٰ بے بنیاد ہوتا ہے۔ ریاست بطور ارادہ سیاسی اپنی مالک خود یہاں تک کہ شہریوں کی بھی مالک ہوتی ہے اور خدائی درجہ پر فائز ہوتی ہے۔ [29] مقننہ، عدلیہ وانتظامیہ ایک دوسرے کے دائرے میں مخل ہوتے ہیں اور قانون سازی کسی بھی سماجی واخلاقی اصول کی پابند نہیں ہوتی۔ [30] نام نہاد آئین انسانی دستاویز ہے اور مبنی بر تضاد ہوتا ہے اس کی شقیں بذات خود متصادم ہوتی ہیں اور اس میں ردوبدل کسی بھی آئینی ترمیم یا بل کی صورت میں یا نظریہ ضرورت کی بناء پر ممکن ہوتا ہے۔ وائل حلاق یہاں امریکن آئین سے شقوں کے تضاد کی مثالیں بھی پیش کرتا ہے۔ [31] مذکورہ بالا مباحث وائل حلاق کے منصفانہ تجزیے کی بہترین عکاس ہیں۔ اس طرح کے سوالات آئین پاکستان اور دیگر مسلم قومی ریاستوں کے آئین پر بھی اٹھائے جاسکتے ہیں۔ [32] اور اصلاح کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔

حلاق کی نظر میں فقہی ذخیرہ یعنی شرعی اثاثہ اجتہاد کی مرہون منت ہے۔ فقہی نصوص محدود ہیں۔ تو قانون اسلامی فقہاء کا استنباط ہے اور یہی شریعت ہے تو گویا شریعت فقہاء کا استنباط ہے۔ جو انسانی کاوش ہے اس میں غلطی کا احتمال بھی ہے۔ ہمیں حلاق سے یہاں سخت اختلاف ہے۔ فقہی مصادر شرعی مصادر ہیں تو ان سے اخذ شدہ احکام شرعی ہیں محض انسانی نہیں اور ان میں اختلاف مشیت ایزدی ہے اور اس کی گنجائش ہے دونوں یا سب آراء کی تصویب کا بھی مکمل احتمال موجود ہے۔ ان میں تغییر کا پہلو انسانی مصالح کے پیش نظر فطری تقاضا ہے۔ فرض ،واجب، سنت، نفل، حرام اور مکروہ کی تقسیم ودرجہ بندی محض انسانی عمل نہیں ہے اس کی بنیاد شرعی اصولوں پر قائم ہے۔ ورنہ تو تمام شرعی احکام انسانی عمل ہی قرار پاتا ہے۔ وائل حلاق کا یہی نقطہ نظر اس کی تمام کتب سے مستنبط ہوتا ہے اس لیے ہمارے وہ بعض اہل علم جنہوں نے اس کی فکر کو قرآن کو الہامی تسلیم کرنے سے منسوب کیا ہے انہیں دوبارہ حلاق کے کام کا جائزہ لینا چاہیے۔ [33] فقہاء سماج کو دیکھ کر سماج کے مصالح کے پیش نظر قانون مرتب کر رہے تھے ایسا نہیں تھا بلکہ شرع کے مصالح کے مطابق سماج مرتب ہو رہا تھا۔ ماضی میں شرع نے اخلاقی اقدار کی بنیاد پر بہترین سماج تشکیل دیا تو اب بھی وہ دے سکتی ہے دوسرا یہ کہ شرع آج بھی اسی طرح اپنی اخلاقی اقدار کے ساتھ مسلمہ اتھارٹی ہے جس طرح ماضی میں تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ سیاسی غلبہ نہ ہونے کے سبب غیر مسلم فکر وفلسفہ نے ہر طرف سے شرع پر ہلہ بول دیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبے سے اقتباس پیش خدمت ہے:

"لوگو! میں تمہارا امیر بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو۔ اگر برا کام کروں تو مجھ کو سیدھا کردو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کردوں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے چنانچہ میں اس سے حق لوں گا۔ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ ان پر مصیبت کو مستولی کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا اب جاؤ، نماز پڑھو، اللہ تم پر رحم فرمائے۔" [34]

مذکورہ خطبے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی کی کوئی اتھارٹی نہیں، محض شرع اتھارٹی ہے اور نیابت کا تصور ہے۔ نیابت کبھی بھی حقیقی طاقت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ سپریم اتھارٹی اسے جو اختیار بطور امانت دے اسی کا اطلاق کرتی ہے تو سپریم اتھارٹی یا طاقت صرف ایک ہے۔ باقی سب اسی تحکیم کے دائرے میں ذمہ دار اور نگران ہیں اور جوابدہ بھی ہیں۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے۔ جسے اس نے یہ اختیار بطور امانت دیا اس سے اس کی جواب طلبی بھی ہو گی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شرع اسلامیہ وضع کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں نہ ہی اس کے مترادف یا مقابل نظام مرتب کرنے کے داعی بنے۔ بلکہ شرع اسلامیہ کے اطاعت گزار بنے اور اسی کے داعی بھی۔ اگر کوئی ریاست یا حکمران مابعد تاحال اس پر عمل نہ کر سکا تو اس میں شرع اسلامیہ کی تشکیل جدید کے اخلاقی بیانیے کا تصور کہاں سے آگیا؟ شرع اسلامیہ اپنی بنیاد پر قائم ہے جو اس کی طرف چلا جائے اور اس کے فہم کے معیار کو پورا کرلے اور عمل کا مدعی ہو وہ حقیقی اسلامی تحکیم کا داعی ہوگا۔ وائل حلاق صحیح اسلامی تصور کی وضاحت نہ کر سکے۔ شرع نے آج بھی استعماری اتھارٹی تسلیم نہیں کی مسلم لاء کو اسلامی قانون یا فقہ نہ سمجھا جائے اسی طرح فقہ کا کونسا پہلو شرع کے کونسے پہلو کے مترادف ہے اس کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ حال ہی میں پاکستان میں مبارک ثانی کیس کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم ریاستوں میں استعماری اثرات کے باوجود حقیقتاً شرع اسلامیہ ہی سپریم اتھارٹی ہے۔[35] اس سے ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہو جاتا ہے جو مسلم ریاست میں شرع کی سپریم اتھارٹی کے تعطل کے مدعی ہیں۔ شرع آج بھی اصولی طور پر سپریم اتھارٹی ہے۔ دوسرا یہ کہ حکومتی سٹرکچر کے انتخاب میں شرع نے امت کو جو آزادی و خود مختیاری دی ہے وہ اصولی استحکام کے ساتھ کسی بھی فروعی حالت میں سرایت کی فطری قوت رکھتی ہے اس لیے کسی بھی جدید بیانیے کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے محض اصول شرع کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے شرع کا قدیم ورژن ہی اپنے اصولوں کے مطابق جدید ریاست کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تاحال اسلامی تحکیم کے حقیقی مسائل کو درج ذیل چارٹ سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تا خلافت راشدہ۔ عہد اول۔ شریعت کے سائے میں پروان چڑھا۔ عہد بنوامیہ، بنوعباس، عثمانیہ۔ عہد ثانی۔ شریعت کی معیت میں (ساتھ ساتھ)۔ قومی ریاستوں کا دور تاحال۔ عہد ثالث۔ شریعت کو بائی پاس کرنا/ چیلنج کرنے کی کوشش۔

سیاسی امور اور اسلامی اخلاقیات

قانون سیاست اور اخلاق کا باہم تعلق باب چہارم میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس باب کی اہم اصطلاحات میں "حقیقت اور قدر یعنی کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے" شامل ہیں[36]، نیز اس باب میں حلاق نے جن مغربی علماء کی تھیوریز پر تبصرہ کیا ان میں ہابس، آسٹن، بلیک سٹون، میکس شیلر، آنسکوم، کارل شمٹ، ویبر، بیکسن، ونکو، نطشے، فوکو اور فرینکفرٹ اسکول کے مفکرین شامل ہیں۔[37] اس باب میں حلاق کی بحث کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ماقبل جدید اسلامی روایت میں حقیقت اور قدر دونوں ہی اہم تھیں ان میں فرق نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ماقبل جدید اسلامی روایت اور اس کے ڈسکورسز میں قرآن سمیت (جو کہ ظاہر ہے اساسی متن ہے) قانونی اور اخلاقی ثنویتی زمروں کے طور پر شناخت نہیں کیا جاتا تھا؛ "کیا ہے" اور "کیا ہونا چاہیئے" اور امر واقعہ اور قدر ایک ہی تھے۔ یہ فرق ایسے کسی بھی طریقے سے وجود نہ رکھتا تھا جیسا کہ ہم جدید دنیا میں دیکھنے لگے ہیں۔ اور نہ ہی یہ فرق روشن خیالی سے پہلے والے یورپ میں موجود تھا۔''[38]

قانون جزا[39] سے متعلق حلاق کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ایک طبعی قانون ہے۔وہ رقم طراز ہیں:

"جزا ایک طبعی قانون ہے جسے خیر کے اعلیٰ ترین درجے کے حصول کے لیے مصروف خدمت کیا گیا ہے۔حیات اور بود و باش اصل میں آزمائش ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔دوسرے لفظوں میں،آخرت اسی حیات کا تسلسل ہے۔"[40]

اس باب کے مباحث میں حلاق نے شریعت کو قرآن سے جدا کر دیا۔حلاق کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"کسی بھی شریعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی قرآن نے ایک غیر معمولی پیمانہ قائم کر دیا تھا جس سے سارے انسانی طرز عمل کا موازنہ کیا جاتا ہے اور یہ پیمانہ الہیاتی اخلاقی اصول کا واحد حوالہ ہے۔"[41]

گویا کہ اخلاق پہلے تھے اور شریعت بعد میں آئی،اور شرعی فقہی استنباط کا نتیجہ ہے۔حلاق نے مذکورہ بالا عبارت بحوالہ Izutsu پیش کی ہے۔[42] اس سے واضح ہوتا ہے یہ حلاق کا محض استنباط وذاتی استدلال ہے۔حلاق کے مباحث فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ ہیں۔جن کا زیر بحث باب کے متعلقہ عنوانات سے عملا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی شرع اسلامیہ اور قرآن کریم سے متعلق بیان کردہ آراء درست ہیں۔حالانکہ سیاسی امور سے متعلق اسلامی اخلاقیات بالکل واضح ہیں۔جو دو اصولوں پر مشتمل ہیں۔

1. امر وبالمعروف ونہی عن المنکر[43]
2. قیام عدل واحتساب[44]

عدل کا اعلیٰ ترین معیار جو اسلام نے قائم کیا اس کی ایک بے مثال اور شاندار جھلک حسب ذیل آیات قرآنی میں پیش کی گئی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"[45]

"اے ایمان والو!اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ چاہے تمہارے اپنے یا والدین یا رشتے داروں کے خلاف ہی (گواہی) ہو۔جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ ان کے زیادہ قریب ہے تو (نفس کی) خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ عدل نہ کرو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘-وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ-اِعْدِلُوْا-هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"[46]

"اے ایمان والو!انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو،یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو،بیشک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔"

قدر و حقیقت کے تناظر میں "تصور مسلم وامت" کا فروغ

باب پنجم میں وائل حلاق نے قدر اور حقیقت کے حوالہ سے سیاسی ذات (شہری) اور اخلاقی تکنیکات ذات (خودداری) پر کلام کیا ہے[47]۔ حلاق نے باب 5 کے سیکشن ریاستی رعایا کی پیداوار میں بہت بہترین انداز میں جدید ریاست واداروں کی تاریخ، مقاصد، اور طریق کار کی وضاحت کی ہے۔ اس کا مصدر ویلٹ، فوکو اور ٹیلر ہیں۔[48] اندرونی، ذاتی محرک سے کام کرنیوالے انسانوں کو کس طرح خارجی عوامل کی تحریک سے مغلوب کیا گیا اور انہیں اطاعت گزار بنایا گیا۔ اس کا مقدمہ انتہائی اہم ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جدید ریاست اور اس کے تمام اداروں کی کارکردگی، تاریخ اور حالیہ حیثیت مصنوعی، وقتی، خود ساختہ اور استعماری مقاصد کی مرہون منت ہے۔[49] وائل حلاق نے اس حصہ میں اسلام کے پانچ بنیادی ستونوں کی تشریح فطری طبعی قوانین کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں مسلم روایتی فکر سے ہٹ کر نئے پہلو آشکار کیے ہیں۔ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسی عبادات کو بھی سیاسی، سماجی اور قانونی نقطہ نظر سے اخلاقی قانون پیش کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ہمارے ہاں یہ بحث سرے سے استعماری اثرات کا حصہ کبھی بھی نہیں سمجھی گئی۔ ہمارے ہاں استعماریت سے نجات کیلئے سیاسی غلبہ توڑنا مقصود ہے اور اس کے ذریعے مسلمہ اسلامی اخلاقی اقدار کا احیاء مطلوب ہے۔ نئے اخلاقی فلسفہ /اقدار کی تشکیل کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہمیں سٹیزن کی بجائے مسلمان (مومن) کے تصور کو مضبوط کرنا ضروری ہے اور سیاسی برتری کے لیے جغرافیائی، لسانی، نسلی اور علاقائی گروہوں کی بجائے ، شرع کی بالادستی کے تصور کا فروغ ضروری ہے، امت کا عمومی مزاج یہی رہا ہے۔

جدیدیت اور جدید ریاست ایک ناکام تجربہ

باب ششم میں حلاق اسلامی تحکیم کے قیام کو فرض کرتے ہیں[50] جبکہ حلاق کی فکر پر نقد و تجزیہ پیش کرنے کے لیے تاریخی تناظر میں ہم اس کے برعکس فرض کرتے ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ سولہویں صدی میں یورپ وامریکہ سے جدیدیت کا آغاز ہوا مارٹن لوتھر کی اصلاحی تحریک سے ہوا یا اس سے پہلے یعنی صلیبی جنگوں کے فورا بعد یا اس کے بعد یعنی انقلاب فرانس سے یا اس کے بھی بعد یعنی کارل مارکس کے نظریات سے انقلاب روس سے یا عہد روشن خیالی یا لبرلزم یا میگنا کارٹا یا اقوام متحدہ کے قیام سے؟ ان میں سے کس چیز کو نقطہ آغاز قرار دیں مغربی مفکرین کے ہاں کچھ بھی طے نہیں ہے۔ چلیں ایک اور تصور جسے استعماریت یا کولونیلزم کہتے ہیں اس کا نقطہ آغاز تلاش کرتے ہیں تو اس کی تعیین بھی خاصا پیچیدہ عمل ہے۔ تاج برطانیہ کے قبضے اور پھر نام نہاد آزاد ریاستوں کے تصورات تو کل کی بات ہے تب جدید ریاست کا آغاز آپ تاریخ سے کیسے تلاش کریں گے؟ بنیادی انسانی حقوق کے تصورات اور دیگر تحریکیں جیسے تحریک نسواں اور LGBTQ کے تصورات تو یوں سمجھیں ہمارا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ مگر ان کی تاریخ پیدائش تو یاد ہے لیکن ان کی بنیاد جدیدیت ہی ہے اور جدیدیت ہی جدید ریاست کی بنیاد ہے تو جدیدیت نے ان تصورات و جدید ریاست کو جنم دیا یا جدید ریاست اور ان نظریات نے جدیدیت کو شکل فراہم کی؟ جدید ریاست اگر ان تصورات کی آماجگاہ ہے تو جدید ریاست کی بنیاد کیا ہے؟ جدید ریاست کی بنیاد اگر جدیدیت ہے تو جدیدیت کی تاریخ کیا ہے اور اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ اگر صلیبی جنگوں کے بعد اس کی بنیاد پڑی تو اس کے شواہد کہاں ہیں؟ اگر مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح کلیسا اس کی بنیاد بنی تو اسلام کو اس نظر

سے کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟ جبکہ ہمارے ہاں اہل علم نے روز اول سے ہی سیاسی اثرات و نفسانی خواہشات سے خود کو بچا کر رکھا۔

جتنا اختلاف مغربی فلاسفہ و مفکرین میں باہم پایا جاتا ہے اور جس طرح باہم دست و گریباں نظر آتے ہیں اسلام میں یا مسلم فقہاء و محدثین میں اس طرح کا کوئی عنصر خالص دینی مزاج اور مصادر اسلامیہ سے استنباط کی صورت میں نظر نہیں آتا۔ وائل حلاق یا اس کے ہم نوا مفکرین کے مطابق جدید ریاستی نظم ہی مسائل کی جڑ ہے اور جدیدیت نے یہ نظم مسائل سے نجات کے لیے ہی مرتب کیا جو بجائے نجات دہندہ کے بذات خود دردِ سر بن گیا اور اب پھر اسلام کا مستقبل اس پورے منظر نامے میں متعین کرنا اصل کام ٹھہرا اور وہ بھی اس قدر کہ جدید ریاست کو اسلامی ریاست میں بدلنا سرے سے ممکن ہی نہیں تو ہم نے کب اس نظم کو مرتب کیا یا اس کی اصلاح کے داعی ہوئے یا اس کی تمام برائیوں کی جڑ ہم ہیں یا ہمارا دعویٰ کب ہے کہ ہم اس نظم میں رہ کر نیا اخلاقی نظام مرتب کر سکتے ہیں؟ ہمیں تو خواہ مخواہ اس میں دھکیلا جاتا ہے۔ اور پھر مورد الزام بھی ٹھہرایا جاتا ہے۔ اگر مسلم ریاست کا مسئلہ کرپشن ہے تو کیا یہ بھی جدیدیت کی پیداوار ہے اور جدید ریاست کا جوہری وصف ہے اگر مسلم ریاست کے ادارے لاقانونیت کا مظہر اور جبر واستبداد کا مرکز بن چکے ہیں تو یہ بھی جدیدیت کا تحفہ اور جدید ریاست کا خلقی و بدیہی وصف ہے اگر ایسا ہے تو یورپ وامریکہ نے آج تک جو روشن خیالی و ترقی کے نام پر دنیا کو دھوکہ دیا اور ابھی بھی امن و خوشحالی کے ٹھیکے دار ہیں تو دنیوی امن و خوشحالی کی تباہی کی ذمہ داری قبول کریں اور دائمی اخلاقی ضابطوں کو قبول کریں اور راہ کی رکاوٹ بننے کی بجائے حقیقی اصلاح پسند بنیں پھر جو ریاست اقوام عالم کے حسین امتزاج سے فطری تقاضوں کے مطابق متشکل ہو اس کے اثرات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ جدید اسلامی ریاست نا صرف ممکن بلکہ آنیوالے وقت کا ناگزیر تقاضا ہے جو انسانیت کو امان دے۔ اسلامی ریاست کا مسئلہ تو اقربا پروری، ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، حق تلفی، اصولوں سے انحراف، فرقہ بندی، جغرافیائی و لسانی جھگڑے، ادارتی سطح پہ نااہل لوگوں کی اجارہ داری اور میرٹ سے انحراف ہے۔ جدیدیت اور جدید ریاست جنہوں نے پیدا کی اور ہمارے ہاں بھی نام نہاد دانشور و مفکرین، اسلام بیزار طبقے کو بھی اس تاریخی عمل میں مہذب دنیا کی جدید اخلاقی اقدار کے اپنانے کے جھانسے میں لا کر اپنی خالص اقدار سے بھی انجان بنا دیا اور اب اسی ریاست میں خالص اخلاقی اقدار کے فروغ کے وجود کے ارتقاء و عمل کو ناممکن قرار دے کر کونسی نئی اخلاقی قدر تلاش کرنے کا درس دیتے ہیں؟ حالانکہ ہم واضح طور پر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخات مدینہ[51] و میثاق مدینہ[52] کے اقدامات کی صورت میں ان مسائل کا حل عالمی سطح پر مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے معاشروں کے لیے تجویز کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ سپریم اتھارٹی بلا مشروط شرع اسلامیہ کو دینا ہو گی۔[53] باب ششم کے تناظر میں شرع کے جس اخلاقی فلسفے کو وہ فرض کر کے گلوبلائزیشن و جدید ریاست کے سامنے بے بس پاتا ہے تو یہ اخلاقی فلسفہ اپنی انفرادیت کھو کر کسی خود ساختہ انسانی فکر و فلسفہ و اخلاقی اقدار سے سمجھوتہ کر کے کونسی کامیابی حاصل کرے گا؟ اسی طرح محض جدیدیت پر نقد بھی لا حاصل ہے۔ جب تک فکری بیانیے کی ماضی کی روایت، حال میں قابل اطلاق نہ ہو، حال میں اطلاق سے ہی مستقبل کا تعین ہو سکے گا۔

گلوبلائزیشن کے تناظر میں جدیدیت کی اصلاح کا اخلاقی بیانیہ

باب ہفتم میں وائل حلاق نے نئے اخلاقی بیانیہ کی تشکیل کے لیے دو تجاویز پیش کی ہیں:

1. میثاق مابین مسیح و مسلم (شرق و غرب) جسے خارجی عمل قرار دیا۔
2. نئے ذخیرہ الفاظ کی تشکیل (اپنے لبرل مسلمانوں کو قائل کرنا) جسے داخلی عمل قرار دیا۔

وائل حلاق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''یہ اخلاقی نظام بے اندازہ قیمت والا سرمایہ ہے جو کم از کم دو اقدامات عمل میں مستحکم رہ سکتا ہے؟ ایک اقدام عمل داخلی ہے اور دوسرا خارجی۔ اول، اخلاقی مرکزی اقلیم اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے مسلمان تحکیم کی نوزائیدہ (جدید) شکلوں کی ترتیب و تعمیر کا کام شروع کریں جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترمیم ہوتی رہے اور انہی خطوط پر انہیں کامل بنایا جائے یہ کام اصلی اور مقامی فکر کا متقاضی ہے کیوں کہ جو سماجی اکائیاں مل کر بڑا سماجی سیاسی نظم بنائیں گی ان پر اخلاقی اجتماعیتوں کی نظر سے دوبارہ غور و فکر کیا جائے اور سب سے پہلے ان میں روحانی اثر (جدید معنوں میں مسحور) دوبارہ پیدا کیا جائے۔ تاریخی اخلاقی مصادر وہ ابتدائی نقشہ فراہم کریں گے جس کے مطابق تعین ہو گا کہ اقتصادیات، تعلیم، نجی اور عوامی دائروں اور ماحول اور فطری نظم سے تعلق رکھنے کا کیا مطلب ہے۔ یہ اجتماعی اور انفرادی حقوق کا تصور بھی فراہم کرے گا جس کے لیے لبرل نظام کے تصور حقوق کی کمزوریوں اور خامیوں کا واضح فہم ہونا ضروری ہے۔ حقوق پر اصلی موقف (تیار اور اختیار کرنا) ہی جوہر ہے۔ لیکن اخلاقی مرکزی اقلیم کے طور پر اجتماعیت کا داخلی اور مقامی غور و فکر ہی اصل اساس ہو گا جس کی بنیاد پر آفاقیت مخالف تھیوری تعمیر کی جائے گی؛ یہ تھیوری دنیا کے معاشروں کی انفرادیت کی وکیل ہو گی لیکن آفاقیت کے غالب لبرل تصور کا تریاق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فکری اہلیت پیدا کی جائے۔ لہذا یہ ابتدائی لیکن مستقل عمل جدلیاتی نوعیت کا ہے جس میں اجتماعی تعمیر سازی کی تعمیری کوششوں اور جدید ریاست اور اس کی لبرل اقدار کے مابین بار بار پسپائی اور پیش قدمی ہو گی، مشرق اور مغرب دونوں میں۔ ہم دیکھیں گے کہ اس جدلیاتی عمل کے دوسرے حصے پر اصرار اتنا ہی لازمی ہے جتنا کہ پہلے حصے پر ثابت قدمی (اور پہلا حصہ پورے پراجیکٹ کی وجہ وجود ہے)۔ اس قسم کی مستقل مزاج اور ست رو اپروچ ابتدائی کامیابیوں کی ضمانت نہیں تو کم از کم وعدہ ضرور ہے، شرط یہ ہے کہ ان قوتوں سے گریز (اگر راہ فرار اختیار نہیں کرنی تو) کیا جائے جنہیں ہم نے اس کتاب میں اسلامی تحکیم کے لیے مخاصمانہ اور تباہ کن قوتوں کے طور پر شناخت کیا ہے۔ دوم، نوزائیدہ اداروں کی تعمیر کے طویل عمل میں (جو قواعد شریعت کے اعادے اور سیاسی اجتماعیت کی نو تصوریت کا متقاضی ہو گا) مسلمانوں اور ان کے دانش وروں اور سیاسی اشرافیہ کو اپنے مغربی معاصرین کا سامنا کرنا ہو گا تا کہ اخلاقیات کو مرکزی اقلیم بنانے کی ضرورت منوائی جائے، اس مکالمے کے لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا ذخیرہ الفاظ تیار کریں جو ان کے مخاطب سمجھ سکیں! اس ذخیرہ الفاظ کا ایک کام یہ ہو گا کہ ہر معاشرے کے لیے موزوں اخلاقی نظم تعمیر کرنے کی ضرورت کے تناظر میں تصور حقوق پر توجہ دے۔ اس عمل میں شریک مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ دوسروں (بشمول لبرل مسلمانوں) کو قائل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کرنا پڑے گی۔''[54]

ہماری رائے میں محض تنقید لایعنی عمل ہے، **گلوبلائزیشن کے تناظر میں جدیدیت کی اصلاح** کے لیے امت مسلمہ کو ریاستی سطح پر درج ذیل تین عملی اقدامات اٹھانا ہوں گے۔

- قانون عدل واحتساب کو یقینی بنانا
- فکر و عمل میں یکسانیت پیدا کرنا
- فکری و عملی برتری ثابت کرنا

حلاق کے مجوزہ امکانات وحل کے اقدامات میں پہلی تجویز میں مسلم و مسیح یا شرق و غرب کے اتحادی بیانیے کے سلسلہ میں اس نے اس کی وضاحت پیش نہیں کی۔ میرا نہیں خیال حلاق کی کسی تحریر میں جدید بیانیے کی تشکیل میں شرع اسلامیہ کی الہامی سپریم اتھارٹی کو بعینہ جیسا کہ وہ ہے سپریم حیثیت دینے کا پیغام موجود ہے۔ اسی طرح دوسری رائے کے مطابق لبرلز کو قائل کرنے کے لیے نئے ذخیرہ الفاظ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اس سے مراد شرع کی نئی تعبیر و تشکیل ہے؟[55] تو یہ ناممکن ہے۔ اس کے لیے Relative way اور Bilateral way میں فکر و عمل کا جائزہ کچھ شرائط کے تحت لیا جائے گا۔ سیاسی اعتبار سے وہ الگ ہیں جبکہ سماجی و فقہی حوالے سے وہ الگ ہیں۔ سیاسی اعتبار سے اس کی بنیاد قانون احتساب و عدل، جبکہ سماجی اعتبار سے اس کی بنیاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور فقہی اعتبار سے اجتہاد پر ہے۔ ہمارے ہاں پہلے عمل میں رکاوٹ وہی افراد ہیں جو سیاسی مناصب پر سرفراز ہیں۔ سماجی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے امت گروہ بندی و فرقہ واریت میں مبتلا ہے جبکہ فقہی اعتبار سے اجتہاد کا رخ عملی مسائل کی بجائے فروعات، فلسفہ و سائنس اور اصولوں کی ترمیم و بدعات کے فروغ کی طرف ہے۔ ہمیں کسی بھی جدید اخلاقی بیانیے کی تشکیل کی دعوت کا رخ کرنے کی بجائے اپنے حقیقی مسائل سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی ضرورت ہے۔

اب یہ سب جغرافیائی حدود کی پابندی کے بغیر ہوگا۔ اور گلابلائزیشن کے تناظر میں عالمی سطح پر ہوگا۔ اس لیے مستقبل قریب میں شرع اسلامیہ کی طے شدہ اخلاقی اقدار کی ضرورت واہمیت اور اس کا فکری و عملی فروغ و قبولیت اپنی فطری قوت کے ساتھ مزید مستحکم ہوگی۔ غیر فطری و غیر اسلامی اخلاقی نظاموں سے مسابقت میں بھی بلاشبہ اضافہ ہوگا اور مسلم مفکرین کو اس پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔

شرع کی سپریم اتھارٹی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تا بارہویں صدی تک مسلمہ رہی ہے تو آج بھی مسلمہ ہے فرق یہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد خلافت راشدہ، عہد بنوامیہ، عہد بنوعباس اور عہد عثمانیہ میں شرع اسلامیہ کی سپریم اتھارٹی کی عملی شکل میں زمان و مکان کے فرق سے حقیقی صورت منفرد رہی ہے اس طرح عصر جدید اور مابعد جدید بھی شرع اسلامیہ کی سپریم اتھارٹی کی عملی شکل زمان و مکان کے فرق سے حقیقی فطری ممیز شکل میں منفرد نظر آئے گی۔ اس میں نہ تو بادشاہت کا رنگ غالب ہوگا، نہ ہی سیاسی غلبے کی مرہون منت نظر آئے گی۔ نہ ہی قوم پرستی یا قبائلی عصبیت کے کردار کی محتاج ہوگی اور نہ ہی عقلیت پرستی کا مزاج غالب نظر آئے گا۔ یہ نہ تو مادیت و سرمایہ داری کی کرامت معلوم ہوگی اور نہ ہی محض صوفیانہ وراہبانہ تشخص کی مرہون منت ہوگی۔ نہ ہی ادارتی جبر واستبداد کا عمل دخل ہوگا بلکہ اس میں موجود فطری قوت استحکام و مصالحت انسانی مصالح و مقاصد کی واحد نمائندگی، اور دائمی و آفاقی فلاح واصلاح کا

پیغام و قوت نظر آئے گی۔ جو آج بھی اسی طرح برقرار ہے جیسے وہ چودہ صدیاں قبل موجود تھی۔ سیاسی غلبہ کے حصول اور شرع کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے طریقے یہی ہیں، حلاق کے مجوزہ پراجیکٹ سے مسلم شناخت ایک سیکولر اخلاقی اور مذہبی تصور میں بدل جائے گی اس لیے وہ کارگر نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جدیدیت کے تناظر میں یہ الزام کتنا عجیب ہے کہ اسلام ایک قدیم مذہب ہے اور مسلمان قدامت پرست ہیں۔ اس سوال کے جواب میں دو بیانیے وجود میں آتے ہیں۔ جی ہاں! جدیدیت کی بدعات و خرافات کے تناظر میں مسلمان قدامت پرست ہیں اور جدیدیت کی گمراہی و بے راہروی کے لحاظ سے اسلام ایک قدیم مذہب ہے۔ بعینہ قرآن و سنت کی قدیم روایت کے تناظر میں اجتہاد کا وجود مسلمہ امر ہے جس سے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے لیکن جدیدیت کی لادین روایت کے تناظر میں اجتہاد کا جواز موجود نہیں جس سے تحریف و نفس پرستی کو فروغ ملے۔ گویا کہ یہاں کسی بھی عنصر کے لحاظ سے افہام و تفہیم یا بحث و مباحثہ اور دلیل و اثبات کے دو پہلو ہیں ایک پہلو جواز فراہم کرتا ہے اور مثبت سوچ کو جنم دیتا ہے یہی پہلو محمود ہے۔ جبکہ دوسرا پہلو عدم جواز فراہم کرتا ہے اور منفی سوچ کو جنم دیتا ہے یہی پہلو غیر محمود و قابل تردید ہے۔ وائل حلاق کے جدید ریاست اور اسلامی ریاست سے متعلق خیالات مذکورہ بالا طرز پر دو پہلوؤں کے اعتبار سے زیر بحث لانے کی ضرورت ہے ایک پہلو کے لحاظ سے اس کی فکر کا مثبت پہلو واضح ہو گا جبکہ دوسرے پہلو سے منفی پہلو۔

آغاز آفرینش سے آج تک انسان جن ارتقائی مراحل سے گزرا، تہذیب، معاشرت، معیشت اور سیاست گو کہ ہر اعتبار سے ارتقاء عمل میں آیا نئے انسان نے قدیم ورثہ سے استفادہ کیا کچھ ترک کرنا پڑا کچھ ضرورت کے مطابق نیا اخذ کرنا پڑا اور تاریخی ارتقاء کا یہ تسلسل اب بھی جاری ہے۔ انسانی تاریخ کی یہ وہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ انسان کے زمین پر قدم رکھتے ہی اسے فکر و عمل میں ہدایت کا پیغام اللہ کی طرف سے مل جاتا ہے اس کی روشنی میں نظریاتی و عملی ارتقاء فلاح و فوز کی راہ ہموار کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس آزاد و خود مختیار نظریاتی و عملی ارتقاء شر کی راہ ہموار کرتا ہے۔ آزادی و خود مختیاری کے بھی دو پہلو ہیں انسان کو الہامی تعلیمات نے جو آزادی و مختیاری دی وہ ایک عظیم نعمت ہے جو اسے کائنات کا مالک بناتی ہے اور **سخر لکم مافی السموٰت ومافی الارض**[56] کا خوبصورت مژدہ سناتی ہے جبکہ آزادی و خود مختیاری کا ایک تصور وہ ہے جو انسان نے خود کسی بھی الہامی و اخلاقی تقاضے کو رد کر کے پروان چڑھایا۔ تو اس تصور نے اسے پھر خواہشات کا غلام بنا دیا۔ جدید دنیا مذہب بیزار عمل کے نتیجے میں جن غیر اخلاقی افعال کی مرتکب ہوئی اور تباہی کی دلدل میں پھنستی چلی گئی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ان میں سے ایک تصور نظم اجتماعی کی نئی صورت تخلیق کرنے سے پروان چڑھا۔ قدیم طرز حکومت کی بھی مختلف شکلیں تھیں تاریخ انسانی میں نمرود بھی گزرا اور فرعون بھی۔ سلطنت سلیمان علیہ السلام بھی قائم ہوئی اور نظم یوسف علیہ السلام کا بھی دور آیا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آیا اور عہد جدید بھی

ہمارے سامنے ہے۔ نظم اجتماعی کو آپ کوئی بھی نام دیں بہر حال وہ اچھا یا برا ہر دور میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے اچھا تب ہے جب الہامی تعلیمات اور اخلاقی دائرہ کار کے اندر محصور ہے اور برا تب ہے جب نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے آزاد و خود مختیار ہے۔ تو گویا یہ کشمکش تو روز اول سے چلی آرہی ہے۔ وائل حلاق کا یہ مقدمہ ہی درست نہیں ہے کہ جدید ریاست کوئی نئی چیز ہے اور اسے اسلامی بنانا ممکن نہیں۔ ریاست کی پیداوار استعماریت سے ہوئی اور یہ شرع سے متضاد بنیاد پر استوار ہوئی۔ یہی نظم اجتماعی اگر اسلامی اصولوں پر استوار ہو تو یہ بہترین اخلاقی و اصولی نظام میں بدل جائے گا۔ اسے بدیہی و خلقی قرار دینا اور جدید ریاست اپنی تخلیق میں آزاد و خود مختیار ہے کی فکر تشکیل دینا سرے سے باطل ہے جدید ریاست نہ تو خلقی چیز ہے بقول حلاق اگر خلقی ہے تو خالق کون ہے، انسان بذات خود، تو یہاں اصلاح انسان کی مطلوب ہو گی جس سے ریاست کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔ یہ اخلاقی پیغام تو اللہ نے ہر انسان کی اصلاح کے لیے اپنے آخری الہامی پیغام میں دیدیا ہے۔ **لیبلوکم ایکم احسن عملا**[57] کے خطاب سے کون ماوراء ہو سکتا ہے؟ کوئی بھی ذی روح نہیں۔ گویا ہمیں اصل کو سمجھ کر اس کی اصلاح کی طرف آنا چاہیے تاکہ اجزاء کو خالق کل سمجھ کر اس کے سامنے سر نگوں ہو جائیں۔ ہماری رائے میں دنیا جس طرف بڑھ رہی ہے یہ تو حقیقی اسلامی تصورات کے احیاء کا دور ہو گا۔ جس میں متضاد و مخالف فکر خود عیاں ہوتی چلی جائے گی اور خلافت الارض کے وسائل میسر آتے جائیں گے۔ دنیا سمٹ کر رہ جائے گی اور ایک ہی نظام ایک ہی نظریہ بقا کی منزل کا داعی ہو گا۔ قرآن کے الفاظ میں **اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ** ۟[58] یعنی وہ "اسلام" ہے۔

حوالہ جات

[1] Wael Hallaq, The Impossible State (Islam, Politics and Moral Predicament), Columbia University Press, Published in 2013.

[2] https://www.youtube.com/watch?v=bwi8SZLFe2U (Time: 12:15, Date: 09-03-2024)

[3] Wael Hallaq, Al-Duktur, *Al-Dawlah Al-Mustahilah (Al-Islam wa al-Siyasah wa Ma'zaq al-Hadathah al-Akhlaqi)*, 'Amr Uthman, Al-Markaz Al-'Arabi lil-Abhath wa Dirasat al-Siyasat.

[4] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore.

[5] Abdul Basit, An Introduction to Wael Hallaq's works and thoughts, Al-Qamar, Vol.02, Issue. 02 (July-December 2019).

[6] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore, page:09-18

[7] Wael Hallaq considers fiqh (Islamic jurisprudence) and Sharia as human law. However, the divine nature of Sharia is not clearly evident in his views. In many instances, he presents Sharia's divine nature in a jurisprudential context, which indicates that he does not acknowledge the divine nature of Islamic law, Sharia, or its sources.

[8] The true concept of the "Caliphate" forms the foundation of the political matters of the Muslim Ummah. I do not believe that Wael Hallaq, considering modernity, would be willing to formulate a modern ethical narrative to solve state-related issues based on this concept.

[9] Al-Qur'an, Surah Hud, Ayah: 88

[10] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.60-65.

[11]See, Muslim Family Laws Ordinance 1961/ The Dissolution of Muslim Marriages Act, 1939/ Muslim Marriage act 1939.

[12] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.12

[13] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.13

[14] This is the natural state that encourages a person to perform good deeds from an Islamic perspective. Sharia provides the principles for ethics, which are important as driving and enforcing factors. In this sense, the foundation of ethics here is also divine sources, whereas in Hallaq's philosophy, it is a learned process. (In fact, these are the debates on determining the standards of good and evil that our theologians resolved centuries ago.).

[15] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.24

[16]Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.24-25

[17] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.27

[18] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.32

[19]Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.36

[20] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.49-60

[21] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.49-60

[22] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.50-69.

[23] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.14

[24] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.73-76.

[25] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.76-80.

[26] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.93-100

[27] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.95-110.

See, Wael Hallaq, Introduction to Islamic law, Cambridge University Press, 2009, p.20.

[28] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.120-190

[29] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.120-190

[30] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.120-190

[31] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.120-190

[32] https://www.youtube.com/watch?v=M2aUBB49s0Y(Time:1:00PM, Dated:03.09.2024)

[33] Saeed Ahmad, *Joseph Schacht aur Wael Hallaq ki Araa ka Tanqeedi wa Taqabuli Mutaliah (Qanun wa Fiqh ke Tanazur mein)*, Tehqiqi Maqala baraye Ph.D Uloom-e-Islamia (Session 2013-2018), Sheikh Zayed Islamic Center, Punjab University, Lahore, p. 278-282.

[34] Ibn Kathir, Imam Imad al-Din Ismail bin Umar bin Kathir, *Al-Bidayah wa al-Nihayah*: 5/248, Dar al-Fikr, Beirut.

[35] https://www.dawn.com/news/1853956 (Time: 10:30 AM, Dated: 04-09-2024)

[36]Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.135-145

[37]Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.140-150

[38] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.137

[39] Hallaq's stance on the interpretation of the Quran and the concept of Islam somewhat aligns with that of the apostate Ahmadis. According to *Tafsir-e-Saghir (An Ahmadi/Qadiani Tafsir)*, the afterlife is also a natural/physical and promised phenomenon.

[40] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.143

[41] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.142

[42] Izutsu, Ethico-Religious Concepts, 106.

[43] See, Abdul Basit, Theory of "Global Islamic State": A special study of Medinan Life of Prophet Muhammad PBUH (A response to Hallaq's impossible state), Seerat Studies Research Journal, Vol.08 Issue: 08 (January-December 2023).

[44] See, Abdul Basit, Islamic Ethics in Political Matters: A Study of Wael Hallaq's Thoughts, Al-Qamar, Vol. 4 No.2 (April-June 2021)

[45]Al-Qur'an, Surah Al-Nisa, Ayah: 135

[46]Al-Qur'an, Surah Al-Ma'idah, Ayah: 08

[47] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.160-171

[48]Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.164-184

[49] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.164-166

[50] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. p.219.

[51] See, Muhammad Abdul Malik Ibn Hisham ‹Sirat Ibn Hisham, Volume II, Dar al-Kitab, Beirut, p. 123,

[52] See, Muhammad Abdul Malik Ibn Hisham ‹Sirat Ibn Hisham, Volume II, Dar al-Kitab, Beirut, p. 116.

[53] See, Abdul Basit, Theory of "Global Islamic State": A special study of Medinan Life of Prophet Muhammad PBUH (A response to Hallaq's impossible state), Seerat Studies Research Journal, Vol.08 Issue: 08 (January-December 2023).

[54] Wael Hallaq, *Namumkin Riyasat (Islam, Siyasat aur Jadidiyat ki Akhlaqi Mushkil)*, mutarjim Sabir Ali, Legacy Books, Warasat Publications, Lahore. pp.258-260

[55] In the same way, it is presented by Ghamidi Sahab.

[56] Al-Qur'an, Surah Al-Jathiyah, Ayah: 13

[57] Al-Qur'an, Surah Al-Mulk, Ayah: 01

[58] Al-Qur'an, Surah Aal-e-Imran, Ayah: 19